ہر حال میں خلیفہ کی اطاعت فرض ہے

(فرمودہ ۸ رفروری ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں ایک انصاری صحابی کا ذکر کیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بعض انصار کی تحریک تھی کہ انصار میں سے خلیفہ مقرر کیا جائے لیکن جب مہاجرین نے خصوصاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بتایا کہ اس قسم کا انتخاب کبھی بھی ملتِ اسلامیہ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا اور یہ کہ مسلمان کبھی اس انتخاب پر راضی نہیں ہونگے تو پھر انصار اور مہاجر اس بات پر جمع ہوئے کہ وہ کسی مہاجر کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات پر ان سب کا اتفاق ہوا۔ میں نے بتایا تھا کہ اس وقت جب سعد نے بیعت سے تخلف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اُقْتُلُوْا سَعْدًا یعنی سعد کو قتل کردو۔ مگر نہ تو انہوں نے سعد کو قتل کیا اور نہ کسی اور صحابی نے بلکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام میں فوت ہوئے۔ جس سے آئمہ سلف نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتل کے معنی یہاں جسمانی قتل نہیں بلکہ قطع تعلق کے ہیں اور عربی زبان میں قتل کے کئی معنی ہوتے ہیں جیسا کہ میں پچھلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اُردو میں بے شک قتل کے معنی جسمانی قتل کے ہی ہوتے ہیں لیکن عربی زبان میں جب قتل کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی قطع تعلق کے ہیں اور لغت والوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد قتل سے قتل نہیں بلکہ قطع تعلق تھا۔ ورنہ اگر

قتل سے مراد ظاہری طور پر قتل کر دینا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو بہت جوشیلے تھے انہیں خود کیوں نہ قتل کر دیا۔ یا صحابہ میں سے کسی نے کیوں انہیں قتل نہ کیا مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں اس وقت قتل نہ کیا بلکہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی قتل نہ کیا اور بعض کے نزدیک تو وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے بعد بھی زندہ رہے اور کسی صحابی نے ان پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ تو بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قتل سے مراد قطع تعلق ہی تھا ظاہری طور پر قتل کرنا نہیں تھا۔ اور گو وہ صحابی عام صحابہ سے الگ رہے لیکن کسی نے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ پس میں نے مثال دی تھی کہ رؤیا میں بھی اگر کسی کے متعلق قتل ہونا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر قطع تعلق اور بائیکاٹ بھی ہوسکتی ہے کیونکہ رؤیا بھی بسا اوقات الفاظ کے ظاہری معنی پر مبنی ہوتی ہے۔ مجھ سے ایک دوست نے بیان کیا ہے کہ انہی تین افراد میں سے جن کا میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں ذکر کیا تھا ایک نے خطبہ کے بعد کہا کہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی لیکن مشوروں میں انہیں ضرور شامل کیا جاتا تھا۔ اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو میرے مفہوم کی تردید یا یہ کہ خلافت کی بیعت نہ کرنا کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کیونکہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی مگر مشوروں میں شامل ہؤا کرتے تھے کسی شاعر نے کہا ہے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد

انسان کے عیب و ہنر اس کے بات کرنے تک پوشیدہ ہوتے ہیں جب انسان بات کر دیتا ہے تو کئی دفعہ اپنے عیوب ظاہر کر دیتا ہے۔ اس شخص کا بات کرنا بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ یا تو وہ خلافت کی بیعت کی تخفیف کرنا چاہتا ہے یا اپنے علم کا اظہار کرنا چاہتا ہے لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں علم کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بات اتنی غلط ہے کہ ہر عقلمند اس کو سُن کر سوائے مسکرا دینے کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔

صحابہ کے حالات کے متعلق اسلامی تاریخ میں تین کتابیں بہت مشہور ہیں اور تمام تاریخ جو صحابہ سے متعلق ہے انہی کتابوں پر چکر کھاتی ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں تہذیب التہذیب، اصابہ اور اسد الغابہ۔ ان تینوں میں سے ہر ایک میں یہی لکھا ہے کہ سعد باقی صحابہ سے الگ ہو کر شام میں چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے[1] اور بعض لغت کی کتابوں نے بھی قتل کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ صحابہ میں سے ساٹھ ستّر کے نام سعد ہیں۔ انہی میں سے ایک سعد بن ابی

وقاص بھی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے کمانڈر انچیف مقرر تھے اور تمام مشوروں میں شامل ہؤا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کمی علم سے سعد کا لفظ سُن کر یہ نہ سمجھا کہ یہ سعد اور ہے اور وہ سعد اور۔ جَھٹ میرے خطبہ پر تبصرہ کر دیا۔ یہ میں نے سعد بن ابی وقاص کا ذکر نہ کیا تھا جو مہاجر تھے بلکہ میں نے جس کا ذکر کیا وہ انصاری تھے۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے سعد ہیں بلکہ ساٹھ ستّر کے قریب سعد ہیں جس سعد کے متعلق میں نے ذکر کیا ان کا نام سعد بن عبادہ تھا۔

عرب کے لوگوں میں نام دراصل بہت کم ہوتے تھے۔ اور عام طور پر ایک ایک گاؤں میں ایک نام کے کئی کئی آدمی ہوا کرتے تھے جب کسی کا ذکر کرنا ہوتا تو اس کے باپ کے نام سے اس کا ذکر کرتے مثلاً صرف سعد یا سعید نہ کہتے بلکہ سعد بن عبادہ یا سعد بن ابی وقاص کہتے پھر جہاں باپ کے نام سے شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے مقام کا ذکر کرتے اور جہاں مقام کے ذکر سے بھی شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے قبیلہ کا ذکر کرتے۔ چنانچہ ایک سعد کے متعلق تاریخوں میں بڑی بحث آئی ہے چونکہ نام ان کا دوسروں سے ملتا جلتا تھا اس لئے مؤرخین ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثلاً ہماری مراد اَوسی سعد سے ہے یا مثلاً خزرجی سعد سے ہے۔ ان صاحب نے معلوم ہوتا ہے ناموں کے اختلاف کو نہیں سمجھا اور یونہی اعتراض کر دیا مگر ایسی باتیں انسانی علم کو بڑھانے والی نہیں ہوتیں بلکہ جہالت کا پردہ فاش کرنے والی ہوتی ہیں۔ خلافت ایک ایسی چیز ہے جس سے جُدائی کسی عزت کا مستحق انسان کو نہیں بنا سکتی۔ اسی مسجد میں مَیں نے حضرت خلیفہ اول سے سنا آپ فرماتے تم کو معلوم ہے پہلے خلیفہ کا دشمن کون تھا پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن ابلیس تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا مَیں بھی خلیفہ ہوں اور جو میرا دشمن ہے وہ بھی ابلیس ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلیفہ مأمور نہیں ہوتا گو یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ مأمور نہ ہو۔ حضرت آدم مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ حضرت داؤد مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے پھر تمام انبیاء مأمور بھی ہوتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ خلیفہ بھی۔ جس طرح ہر انسان ایک طور پر خلیفہ ہے اسی طرح انبیاء بھی خلیفہ ہوتے ہیں مگر ایک وہ خلفاء ہوتے ہیں جو کبھی مأمور نہیں ہوتے۔ گو اطاعت کے لحاظ سے ان میں اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہوتی ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہوتی ہے ہاں ان

دونوں اطاعتوں میں ایک امتیاز اور فرق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ وحی الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے مگر خلیفہ کی اطاعت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ وحی الٰہی اور تمام پاکیزگی کا مرکز ہے بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ تنفیذ وحی الٰہی اور تمام نظام کا مرکز ہے۔ اسی لئے واقف اور اہلِ علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کو عصمتِ کُبریٰ حاصل ہوتی ہے اور خلفاء کو عصمتِ صغریٰ۔ اسی مسجد میں اسی منبر پر جمعہ کے ہی دن حضرت خلیفہ اول سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میرے کسی ذاتی فعل میں عیب نکال کر اس اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتے جو خدا نے تم پر عائد کی ہے کیونکہ جس کام کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں وہ اور ہے اور وہ نظام کا اتحاد ہے اس لئے میری فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہے۔ تو انبیاء کے متعلق جہاں الٰہی سنت یہ ہے کہ سوائے بشری کمزوریوں کے جس میں توحید اور رسالت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ دخل نہیں دیتا اور اس لئے بھی کہ وہ امت کی تربیت کیلئے ضروری ہوتی ہیں (جیسے سجدہ سہو کہ وہ بُھول کے نتیجہ میں ہوتا ہے مگر اس کی ایک غرض امت کو سہو کے احکام کی عملی تعلیم دینا تھی) ان کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں وہاں خلفاء کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انکے وہ تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہونگے جو نظامِ سلسلہ کی ترقی کے لئے اُن سے سرزد ہونگے اور کبھی بھی وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کریں گے اور اگر کریں تو اس پر قائم نہیں رہیں گے جو جماعت میں خرابی پیدا کرنے والی اور اسلام کی فتح کو اس کی شکست سے بدل دینے والی ہو۔ وہ جو کام بھی نظام کی مضبوطی اور اسلام کے کمال کے لئے کریں گے خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے ساتھ ہوگی اور اگر وہ کبھی غلطی بھی کریں تو خدا اس کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہوگا۔ گویا نظام کے متعلق خلفاء کے اعمال کے ذمہ دار خلفاء نہیں بلکہ خدا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفاء خود قائم کیا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو ان ہی کی زبان سے یا عمل سے خدا تعالیٰ اس غلطی کی اصلاح کرا دے گا یا اگر ان کی زبان یا عمل سے غلطی کی اصلاح نہ کرائے تو اس غلطی کے بدنتائج کو بدل ڈالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہے کہ خلفاء کبھی کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جس کے نتائج بظاہر مسلمانوں کے لئے مُضِرّ ہوں اور جسکی وجہ سے بظاہر جماعت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ بجائے ترقی کرنے کے تنزّل کی طرف جائے گی تو اللہ تعالیٰ نہایت مخفی سامانوں سے اس غلطی کے نتائج کو بدل دے گا اور جماعت

بجائے تنزّل کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے گی اور وہ مخفی حکمت بھی پوری ہو جائے گی جس کے لئے خلیفہ کے دل میں ذہول پیدا کیا گیا تھا۔ مگر انبیاء کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی عصمتِ کبریٰ بھی اور عصمتِ صغریٰ بھی۔ وہ تنفیذ ونظام کا بھی مرکز ہوتے ہیں اور وحی و پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر خلیفہ کے متعلق ضروری ہے کہ وہ پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز نہ ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پاکیزگیٔ اعمال سے تعلق رکھنے والے بعض افعال میں وہ دوسرے اولیاء سے کم ہو۔

پس جہاں ایسے خلفاء ہوسکتے ہیں جو پاکیزگی اعمال کا مرکز ہوں اور نظام سلسلہ کا مرکز بھی، وہاں ایسے خلفاء بھی ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اور ولایت میں دوسروں سے کم ہوں لیکن نظامی قابلیتوں کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں۔ مگر ہر حال میں ہر شخص کے لئے ان کی اطاعت فرض ہوگی چونکہ نظام کا ایک حد تک جماعتی سیاست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے خلفاء کے متعلق غالب پہلو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ نظامی پہلو کو برتر رکھنے والے ہوں۔ گو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دین کے استحکام اور اس کے صحیح مفہوم کے قیام کو بھی وہ مدنظر رکھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خلافت کا ذکر کیا وہاں بتایا ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ [۲] خدا ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور اسے دنیا پر غالب کریگا۔ پس جو دین خلفاء پیش کریں وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے مگر یہ حفاظتِ صغریٰ ہوتی ہے۔ جزئیات میں وہ غلطی کر سکتے ہیں اور خلفاء کا آپس میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے مگر وہ نہایت ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں جیسے بعض مسائل کے متعلق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اختلاف رہا بلکہ آج تک بھی امت محمدیہ ان مسائل کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار نہیں کرسکی مگر یہ اختلاف صرف جزئیات میں ہی ہوگا۔ اصولی امور میں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس ان میں ایسا اتحاد ہوگا کہ وہ دنیا کے ہادی وراہنما اور اسے روشنی پہنچانے والے ہوں گے۔

پس یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص باوجود بیعت نہ کرنے کے اسی مقام پر رہ سکتا ہے جس مقام پر بیعت کرنے والا ہو۔ درحقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص سمجھتا ہی نہیں کہ بیعت اور نظام کیا چیز ہے۔ مشورہ کے متعلق بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک اکسپرٹ اور ماہرِ فن خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے مشورہ لے لیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مقدمہ میں ایک انگریز وکیل کیا مگر اس کا

یہ مطلب نہ تھا کہ آپ نے اُمورِ نبوت میں اس سے مشورہ لیا۔ جنگ احزاب ہوئی تو اُس وقت رسول کریم ﷺ نے سلمان فارسیؓ سے مشورہ لیا اور فرمایا کہ تمہارے ملک میں جنگ کے موقع پر کیا کیا جاتا ہے انہوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں تو خندق کھود لی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بہت اچھی تجویز ہے چنانچہ خندق کھودی گئی [۳] اور اسی لئے اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم نہیں کہہ سکتے کہ سلمان فارسیؓ فنونِ جنگ میں رسول کریم ﷺ سے زیادہ ماہر تھے۔ انہیں فنونِ جنگ میں مہارت کا وہ مقام کہاں حاصل تھا جو محمد ﷺ کو حاصل تھا۔ یا محمد ﷺ نے جو کام کئے وہ کب حضرت سلمانؓ نے کئے بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی انہیں کسی فوج کا کمانڈر انچیف نہیں بنایا گیا حالانکہ انہوں نے لمبی عمر پائی۔ تو ایک اکسپرٹ خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے بھی مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ میں جب بیمار ہوتا ہوں تو انگریز ڈاکٹروں سے بعض دفعہ مشورہ لے لیتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خلافت میں مَیں نے ان سے مشورہ لیا۔ یا یہ کہ میں انہیں اسی مقام پر سمجھتا ہوں جس مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کو سمجھتا ہوں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے طب میں مشورہ لیا۔ پس فرض کرو سعد بن عبادہ سے کسی دنیوی امر میں جس میں وہ ماہرِ فن ہوں مشورہ لینا ثابت ہو تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے مگر ان کے متعلق تو کوئی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں ذکر آتا ہو کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے بلکہ مجموعی طور پر روایات یہی بیان کرتی ہیں کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے تھے اور صحابہ پر یہ اثر تھا کہ وہ اسلامی مرکز سے منقطع ہو چکے ہیں اِسی لئے ان کی وفات پر صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کہا فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک ان کی موت کو بھی اچھے رنگ میں نہیں سمجھا گیا کیونکہ یوں تو ہر ایک کو فرشتہ ہی مارا کرتا ہے۔ ان کی وفات پر خاص طور پر کہنا کہ انہیں فرشتوں نے یا جنوں نے مار دیا بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک وفات ایسے رنگ میں ہوئی کہ گویا خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے خاص فعل سے اٹھا لیا کہ وہ شِقاق کا موجب نہ ہوں۔ یہ تمام روایات بتلاتی ہیں کہ ان کی وہ عزت صحابہ کے دلوں میں نہیں رہی تھی جو ان کے اس مقام کے لحاظ سے ہونی چاہئے تھی جو کبھی انہیں حاصل تھا اور یہ کہ صحابہ ان سے خوش نہیں تھے ورنہ وہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا بلکہ ان الفاظ سے بھی زیادہ سخت الفاظ ان کی وفات پر کہے گئے ہیں جنہیں میں اپنے منہ سے کہنا نہیں

چاہتا۔ پس یہ خیال کہ خلافت کی بیعت کے بغیر بھی انسان اسلامی نظام میں اپنے مقام کو قائم رکھ سکتا ہے واقعات اور اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور جو شخص اس قسم کے خیالات اپنے دل میں رکھتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بیعت کا مفہوم ذرہ بھر بھی سمجھتا ہو۔

اس کے بعد میں ایک اور بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو مجھے پہنچی ہے اور وہ یہ کہ ایک دوست کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہماری جماعت پر جو آجکل مشکلات آ رہی ہیں یہ ہماری بعض غلطیوں کی سزا ہے جو ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مل رہی ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے کہ توبہ، استغفار اور دعائیں کی جائیں۔ میں اس امر میں ان سے بالکل متفق ہوں کہ ان مشکلات کا علاج توبہ، استغفار اور دعا ہے اور میں کئی بار پہلے یہ کہہ بھی چکا ہوں مگر استغفار اور انابت اِلَی اللہ عذاب کی دوری کے لئے ہی ضروری نہیں ہوتی بلکہ ہر حالت میں ضروری ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی ذات تو عذاب سے بالکل پاک تھی بلکہ اللہ تعالیٰ یہاں تک فرماتا ہے کہ جہاں تُو ہو اس مقام پر بھی عذاب نازل نہیں ہو سکتا۔[۲] مگر رسول کریم ﷺ استغفار کرتے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہتے۔ پس جب میں اپنی جماعت سے یہ کہتا ہوں کہ وہ استغفار کرے اور دعاؤں پر زور دے تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہماری جماعت کسی عذاب میں گرفتار ہے اس کے ازالہ کے لئے اسے دعائیں کرنی چاہئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت اس وقت ایک ایسے مقام پر کھڑی ہے کہ اس کے بعض افراد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے مگر بحیثیت مجموعی وہ خدا کے عذاب کی نہیں بلکہ اس کی رحمت کی مستحق ہے۔ میں وہ شخص ہوں جس نے اپنی جماعت کی غلطیاں بیان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا ہر وہ شخص جو میرے خطبات پڑھنے کا عادی ہے میرے اس قول کی سچائی کی شہادت دے سکتا ہے کہ میں نے ہمیشہ کھلے الفاظ میں جماعت کو اسکی غلطیوں پر تنبیہہ کی اور ایسے کھلے الفاظ میں اسے ڈانٹا کہ دشمنوں نے میرے اس قسم کے الفاظ سے بعض دفعہ ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا۔ پس میں ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں جنہیں اپنے لوگوں کی ہمیشہ خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں اور عیب دیکھنے سے ان کی آنکھ بند ہوتی ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک دفعہ ایک حبشی کو ٹوپی دے کر کہا کہ سب سے زیادہ خوبصورت بچہ جو تمہیں نظر آئے اس کے سر پر یہ رکھ دو۔ اس نے ٹوپی اٹھائی اور اپنے کالے کلوٹے بچہ کے سر پر جس کی ناک بہتی تھی جا کر ٹوپی رکھ دی۔ بادشاہ نے

پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ تو وہ کہنے لگا بادشاہ سلامت میری آنکھوں میں تو یہی بچہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے تو بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے عیوب انہیں نظر نہیں آتے؟ اگر میں بھی ایسا ہی ہوتا تو ممکن تھا کہ میں اپنی جماعت کے عیوب نہ دیکھتا اور دوسرے لوگوں کو وہ نظر آجاتے لیکن جماعت کے عیب دیکھنے میں جماعت کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو مجھ سے بڑھا ہوا ہو۔ سوائے منافقوں کے کہ انہیں ہمیشہ عیب ہی عیب نظر آتے ہیں اور خوبی کی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی۔ پس میں نے کبھی کمی نہیں کی جماعت کے عیب ظاہر کرنے میں، کبھی کمی نہیں کی جماعت کو تنبیہہ کرنے میں اور کبھی کمی نہیں کی اسے کھلے اور واضح الفاظ میں نصیحت کرنے میں لیکن باوجود اس کے میں اس یقین پر قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت اخلاص اور تقویٰ پر قائم ہے اور اس کے نَو وارد اور نوجوان بھی بہت کچھ ترقی کر رہے ہیں۔ بے شک ان میں کمزور بھی ہیں اور بیشک ہم میں سے جو کامل انسان بھی ہے اس میں بھی کوتاہیاں ہیں کیونکہ آخر محمد ﷺ جیسا کامل تو کوئی ہو نہیں سکتا جو سارے عیوب سے پاک ہو۔ بہرحال رسول کریم ﷺ سے نیچے ہی ہوگا پس اپنے درجہ تکمیل کے لحاظ سے اس میں غلطیاں اور کمزوریاں بھی پائی جائیں گی۔ ان غلطیوں پر تنبیہہ کرنا خلفاء کا کام ہے یا خلفاء کی طرف سے مقرر شدہ قاضیوں، مفتیوں اور مبلّغوں کا کام ہے کہ وہ نصیحت کریں بلکہ کوئی شخص جس کے دل میں جماعت کی ترقی کی ذرہ برابر بھی خواہش ہو وہ اپنے میں سے کسی فرد کا عیب دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا اور ہم لوگ یہ کام کرتے ہی رہتے ہیں مگر یہ چیزیں کمال کے منافی نہیں ہوتیں۔ ایک حد تک کامل ہوتے ہوئے بھی انسان میں بعض کمزوریاں رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہی دیکھ لو رسول کریم ﷺ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگوں پر جب تک پہلے لوگوں کی طرح تکالیف نہ آئیں ، اور تم ان لوگوں کی طرح مصائب پر ثابت قدمی نہ دکھاؤ اور ان کی طرح خدا تعالیٰ کے راستہ میں جانیں قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت تک تم خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہیں ہو سکتے۔[۵] اس قسم کی آیات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لوگ زیادہ کامل تھے۔ مگر کیا وہی قرآن حضرت موسیٰ کی جماعت کے متعلق یہ نہیں بتاتا کہ اس نے ایک نہایت ہی نازک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ[۶] پس کیا خدا تعالیٰ نے موسیٰ کی جماعت کے عیب کو ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے کہہ دیا جا تو اور تیرا رب دشمنوں سے لڑائی کرتا

پھر ہم تو یہیں بیٹھے ہیں مگر باوجود اس عیب کے قرآن مجید موسیٰ کی جماعت کا نمونہ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے صحابیو! جب تک تم موسیٰ کی جماعت کی طرح نہ ہو جاؤ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے ۔گویا ایک طرف ان کے عیب کا اظہار کرتا ہے اور دوسری طرف ان کی تقلید کا حکم دیتا ہے ۔جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعض عیب کمال کے منافی نہیں ہوتے یہی یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ کے معنی ہیں پس نیکی کے ساتھ بدی کا پایا جانا انسان کو بد نہیں بناتا جیسے صحت کے ساتھ بیماری انسان کو بیمار نہیں بناتی بیماری کا غلبہ انسان کو بیمار بناتا ہے اسی طرح بدی کا غلبہ انسان کو بد بناتا ہے ۔پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا ایک عیب قرآن مجید بیان کرتا ہے مگر چونکہ بعد میں وہ جماعت سنبھل گئی اس لئے مسلمانوں سے کہا کہ جب تک تم موسیٰ کی قوم کی طرح نہ ہو جاؤ تمہارا ترقی کرنا محال ہے ممکن ہے کہ یہ آیت عام طور پر لوگوں کے ذہن میں نہ آتی ہو مگر کیا درود میں ہم روزانہ یہ نہیں کہتے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔کیا آل ابراہیمؑ میں یوسف کے بھائی شامل نہیں اور کیا آل ابراہیم میں حضرت موسیٰ کی قوم شامل نہیں ۔اگر ہے تو جب ہم روزانہ یہ کہتے ہیں کہ اے خدا! رسول کریم ﷺ کی امت پر وہ فضل کر جو ابراہیم اور موسیٰ کی امت پر تو نے کیا تو کیا ہم اقرار نہیں کرتے کہ ہر کمزوری انسان کو برا نہیں بنا دیتی وہ کمزوریاں جن پر انسان غالب آ جائے یا وہ جو وقتی جوش کے ماتحت سرزد ہوں یا وہ جو اجتہادی غلطی سے سرزد ہوں لیکن انسان بحیثیت مجموعی دینی احکام کا تابع ہو اور غلطیوں پر غالب آنے کے لئے کوشش کر رہا ہو اور ظالم نہ ہو اور بدنیت نہ ہو اور ملتِ اسلامیہ کا غدّار نہ ہو ایسی کمزوریاں انسان کو نہ معتوب بناتی ہیں اور نہ اسے بدکار ثابت کرتی ہیں ۔پس کسی جماعت کے متعلق چند غلطیوں کا گنا دینا اور اس کا نام خدا تعالیٰ کا عذاب اور اس کی سزا رکھ دینا اس سے زیادہ ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔

مجھ سے اس دوست نے زبانی گفتگو بھی کی اگرچہ وہ نہایت ہی مختصر گفتگو تھی اور ہم اس وعدہ پر اُٹھے تھے کہ دوبارہ اس موضوع پر گفتگو کریں گے مگر جس قدر گفتگو ہوئی اس سے میں نے یہ سمجھا کہ گو وہ عذاب کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے مگر اس کی جو تشریح کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا کی ہی ہوتی تھی اور الفاظ کے بدلنے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی ۔میں ان کی گفتگو سے جو سمجھا وہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک ہماری جماعت کی موجودہ مشکلات خدا تعالیٰ کا عذاب ہے جو ہم پر آ رہا ہے

۔لیکن اگر یہ عذاب ہے جو ہماری جماعت پر آرہا ہے تو اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں فرماتا ہے ۔اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ[2] یعنی جب تک تم پر وہ مصائب نہ آئیں جو پہلے لوگوں پر آئے اور جب تک تم ہلائے نہ جاؤ۔اس وقت تک تمہیں خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہیں ہوسکتا پس وہ لوگ جو موجودہ مشکلات کو اللہ تعالیٰ کا عذاب قرار دیتے ہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ کیا وہ ابتلاء ہماری جماعت پر آگئے جن کا آنا خدا تعالیٰ کے فرمودہ کے مطابق مقدر ہے ۔اگر ہمارے ابتلاء عذاب الٰہی قرار پاسکتے ہیں تو پھر ہماری ترقی کب ہوگی ۔اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جماعت کی ترقی ہمیشہ ابتلاؤں کے بعد ہؤا کرتی ہے پس جب تک انعامی ابتلاؤں کا سلسلہ ختم نہ ہوجائے اس وقت تک عذاب الٰہی ہماری جماعت پر آہی نہیں سکتا ورنہ اگر پہلے ہی عذاب شروع ہوجائیں تو وہ کونسے دن ہوں گے جن میں جماعت ترقی کرے گی ۔عذاب کے بعد تو کوئی قوم ابھرا نہیں کرتی ۔اوراس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس امر کا ذکر فرمایا ہے وہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس کی قوم ان تمام ابتلاؤں میں سے نہ گزری ہو پس جب تک ابتلاؤں کا دور ختم نہیں ہوجاتا ہمارے تمام ابتلاء انعامی ہوسکتے ہیں عذابی نہیں ہوسکتے اور ہر ابتلاء ہمارے لئے ایسا ہی نتیجہ خیز ہوگا جیسا کہ مثنوی رومی والے کہتے ہیں ۔

ہر بلا کیں قوم راحق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

یعنی مسلمانوں کی جماعت پر جب بھی کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ عذاب کی صورت میں نہیں آتی بلکہ اس کے نیچے فضل کا بہت بڑا خزانہ مخفی ہوتا ہے لیکن عذاب جب آتا ہے تو وہ قوم کو تباہ کو دیتا اور دلوں پر زنگ لگا دیتا ہے ۔بے شک ایسی سزائیں بھی ہوتی ہیں جو نجات کا موجب ہوتی ہیں مگر وہ فردی ہوتی ہیں قومی نہیں ہوتیں ۔پھر وہ کفار کے لئے ہوتی ہیں مؤمنوں کے لئے نہیں ہوتیں ۔ایمان کا دعویٰ کرنیوالوں کے لئے جب بھی قومی طور پر عذاب آتا ہے اس کے بعد وہ قوم ترقی نہیں کرتی بلکہ تنزّل میں گرتی چلی جاتی ہے پھر اس کے بعد جو خلفاء آتے یا جو مجدّد کھڑے ہوتے ہیں وہ قوم کے لئے ٹیکیں اور سہارے ہوتے ہیں قومی ترقی ان کے ذریعہ نہیں ہوتی ۔جیسے کسی گرنیوالی چھت کے نیچے کوئی ستون

کھڑا کر دیا جاتا ہے اسی طرح قوم پر عذاب نازل ہونے کے بعد جو مجدّد و محدّث پیدا ہوتے ہیں وہ ٹیکیں ہوتے ہیں۔ ترقی کا دور پھر واپس نہیں آ سکتا جب تک دوبارہ نبی نہ آئے کیونکہ یہ کام خدا تعالیٰ نے محض انبیاء سے مخصوص کیا ہے۔ پس عذاب کے بعد قوم دوبارہ اگر ترقی کر سکتی ہے تو نبی کے ذریعہ ہی کسی اور ذریعہ سے نہیں۔ چونکہ ممکن ہے وہ بات اس دوست نے اوروں کے آگے بھی بیان کی ہو بلکہ دو تین آدمیوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کے پاس بھی انہوں نے یہی بیان کیا کہ ہماری جماعت اس وقت عذاب میں گرفتار ہے اس لئے میں اس حقیقت کو کھول دینا چاہتا ہوں کہ یہ قطعاً عذاب نہیں بلکہ ہمیں ترقی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک انعامی ابتلاء ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزائیں ہوتی ہیں ان کے ساتھ رؤیا اور الہام کے دروازے نہیں کُھلا کرتے مگر اس ابتلاء کے نتیجہ میں مَیں دیکھتا ہوں کہ مرد کیا اور عورتیں کیا' بچے کیا اور بوڑھے کیا ہر ایک کو خوابیں آ رہی ہیں اور جس طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یَـرٰی اَوْیُـرٰی لَـہٗ'۔[8] مؤمن یا خود خواب دیکھتا ہے یا اس کے متعلق خوابیں لوگوں کو دکھائی جاتی ہیں۔ روزانہ میری ڈاک ایسے خطوط سے بھری ہوئی ہوتی ہے جن میں مختلف خوابوں اور الہامات کا ذکر ہوتا ہے۔ خود مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے کی نسبت بہت جلد اور بار بار حالات سے اطلاع دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس فتنہ کے نتائج جماعت کے لئے بہت زیادہ کامیابی اور ترقیات کا موجب ہونگے۔ پس اس الٰہی گواہی کو چھوڑ کر جو قرآن مجید میں آتی ہے، اس الٰہی گواہی کو چھوڑ کر جس کا پہلے لوگوں میں پتہ چلتا ہے اور اس الٰہی گواہی کو چھوڑ کر جو آج ہم پر نازل ہو رہی ہے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جماعت گندی اور خراب ہوگئی اور خدا اب اس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ پس مَیں یہ الفاظ کہہ کر اپنی جماعت کو غافل نہیں کرنا چاہتا تم میں سے ہر فرد اصلاح کا محتاج ہے بلکہ تم میں سے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرلے، وہ معترض بھی اس بات کا محتاج ہے کہ اپنی اصلاح کرے، میں بھی اس بات کا محتاج ہوں کہ اپنی اصلاح کروں، اور تم بھی اس بات کے محتاج ہو کہ اپنی اصلاح کرو۔ پس اپنی اصلاح کرنے سے نہ وہ باہر ہے نہ میں نہ تم میں سے کوئی فرد بلکہ اگر تم روحانیت کے لحاظ سے اپنی تکمیل کو پہنچ جاتے ہو تب بھی تم میں اصلاح کی گنجائش ہے۔ رسول کریم ﷺ کا عمل تمہارے سامنے ہے۔ آپ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ رَبِّ زِدْنِـیْ عِـلْـمًـا[9] پس ہم نے تو اس مقام تک پہنچنا ہے جس کی انتہاء نہیں۔ کسی ایسے مقام پر نہیں پہنچنا

جس نے ختم ہو جانا ہو اس لئے ہماری زندگی میں کوئی لحظہ بھی ایسا نہیں آ سکتا جس میں ہم اپنی اصلاح سے بے نیاز ہو جائیں۔ اسی مسجد میں مَیں ایک دفعہ نماز جمعہ کے بعد سلام پھیر کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک اجنبی شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں میں نے کہا فرمائیے۔ کہنے لگا اگر ہم ایک کشتی میں سوار ہوں اور وہ کنارے آ لگے تو پھر ہم کیا کریں۔ اس کا یہ سوال کرنا ہی تھا کہ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اس کا تمام سوال ڈال دیا اور میں نے بجائے یہ جواب دینے کے کہ اگر کنارہ آ جائے تو اُتر پڑو یہ جواب دیا کہ اگر دریا محدود ہے تو اُتر جائے لیکن اگر غیر محدود دریا ہو تو پھر جہاں یہ کنارہ سمجھ کر اُترا وہیں ڈوبا۔ اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ جب انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے تو پھر نماز روزے کا کیا فائدہ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ یہ سوال کرنے والا معلوم ہؤا مسلمانوں کے اس بدبخت فریقہ سے تعلق رکھتا تھا جس کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز روزہ اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک انسان خدا تعالیٰ تک نہ پہنچا ہو اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں کہہ دوں کہ کنارہ آنے پر انسان کو کشتی سے اُتر جانا چاہئے تو وہ کہہ دے کہ آپ کو ابھی خدا نہیں ملا ہوگا اس لئے آپ کو نماز روزں کی ضرورت ہوگی۔ مجھے تو نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی یہ تمام باتیں سمجھا دیں اور میں نے جواب دیا کہ اگر دریا غیر محدود ہے تو پھر جہاں اترا ڈوبا۔ پس ہمارا جس ہستی سے تعلق ہے وہ غیر محدود ہے اور اس کے قرب کے مراتب لا متناہی ہیں۔ حتّٰی کہ محمد ﷺ کی با کمال ذات کے لئے بھی ترقیات کی گنجائش ہے اور اگر کہا جائے کہ کوئی انسان ایسا بھی ہے کہ جس کے لئے اب ترقی کی گنجائش نہیں تو اس کا مطلب نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ ہوگا کہ وہ گویا خدا ہو گیا۔ بعض نادان کہا کرتے ہیں کہ محدود اعمال کی غیر محدود جزاء اللہ تعالیٰ کس طرح دے سکتا ہے۔ میں ایسے لوگوں کو اکثر یہ جواب دیا کرتا ہوں کہ محدود اعمال کی غیر محدود جزاء اس لئے اللہ تعالیٰ دے گا کہ تا اس کی توحید ثابت ہو۔ اگر محدود اعمال کی محدود جزاء دے کر اللہ تعالیٰ اور ترقیات کے دروازے انسان پر بند کر دیتا تو انسان یہ کہہ سکتا تھا کہ خدا مجھے اور ترقی دینے سے ڈر گیا اور اسے یہ خطرہ لاحق ہونے لگا کہ میں اس کی خدائی میں شریک نہ ہو جاؤں لیکن خدا نے کہا میں تمہیں غیر محدود جزاء دوں گا۔ تم بڑھتے جاؤ، بڑھتے جاؤ مگر پھر بھی دیکھو گے کہ خدا احد ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا پس توحیدِ کامل انعامِ کامل کے بغیر ثابت ہی نہیں ہو سکتی۔ جو مذاہب یہ کہا کرتے ہیں کہ اعمال کی جزاء محدود ہونی چاہئے وہ خدا تعالیٰ کی

توحید کو مشتبہ کرتے ہیں۔ پس تکمیل کے مقامات غیر محدود ہیں اور ان کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان توبہ و استغفار کرتا رہے اور اپنے اندر ایک بیداری و ہوشیاری پیدا کرے پس دعائیں کرنا توبہ کرنا اور استغفار کرنا لازمی چیزیں ہیں اور ان کی روحانیت کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ضرورت ہے اور اسی وجہ سے میں ان کی تاکید کرتا ہوں۔ کب میں نے کہا ہے کہ تم توبہ و استغفار نہ کرو، کب میں نے کہا ہے کہ تم دعائیں نہ کرو میں نے تو ہر خطبہ میں کہا ہے کہ ہمارا کام خدا بنائے گا ظاہری تدبیریں کچھ چیز نہیں۔ پس دعائیں اور توبہ و استغفار ضروری ہے مگر نہ اس لئے کہ یہ عذاب ہے جو ہم پر آرہا ہے بلکہ اس لئے کہ روحانی تکمیل کے لئے ان امور کی ضرورت ہے اور کوئی شخص خواہ کتنے بڑے بلند مقامات پر بھی فائز ہو جائے ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ عذاب تو تب آتا ہے جب جماعت کی اکثریت خراب ہو جاتی ہے مگر کب ہماری جماعت کی اکثریت خراب ہوئی۔ یا کب اس کی اکثریت نے ٹھوکر کھائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات جماعت کیلئے ایک بہت بڑا ابتلاء تھا مگر کیا اس وقت اکثریت نے ٹھوکر کھائی۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں جب صدر انجمن نے بغاوت کی تو کیا اُس وقت اکثریت نے ٹھوکر کھائی۔ آپ کی وفات پر خلافت کے متعلق جب جھگڑا ہوا تو کیا اُس وقت اکثریت نے ٹھوکر کھائی۔ جب نبوت اور کفر و اسلام وغیرہ مسائل پر بحث ہوئی اور یہ خیال رائج کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس قسم کے عقائد کے نتیجہ میں لوگوں کے دلوں میں احمدیت سے منافرت پیدا ہوگی اور غیروں کو انگیخت کر کے عملاً جماعت کو تکلیف پہنچائی بھی گئی مگر کیا اس وقت اکثریت نے ٹھوکر کھائی۔ پھر اب قربانی کا سوال میں نے جماعت کے سامنے پیش کیا تو جماعت نے قربانی کا کیسا شاندار نمونہ دکھایا ہے کیا جن پر عذاب آرہا ہو ان کی یہی حالت ہوا کرتی ہے؟ جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا مل رہی ہو ان سے تو نیکی کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ چنانچہ ابوجہل کو جب سزا ملتی تو وہ نیکی میں اور زیادہ گھٹ جاتا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ یا دوسرے صحابہ پر جب ابتلاء آتے تو وہ نیکیوں میں ترقی کر جاتے یہی علامت اس بات کی ہوتی ہے کہ کونسا ابتلاء ہے اور کونسا عذاب۔ جب سزا آتی ہے تو اس وقت دل کا زنگ بڑھ جاتا ہے اور انعام پر دل کا نور ترقی کرتا ہے۔ اس وقت دیکھ لو کیا نیک تغیر ہے جو جماعت میں پیدا ہو رہا ہے ہر شخص اپنے دل میں ایک تازگی محسوس کرتا ہے، ہر شخص پہلے سے زیادہ دعاؤں میں مصروف ہے، پہلے سے زیادہ احتیاط کے ساتھ نیکیوں کی طرف توجہ رکھتا ہے، پہلے

سے زیادہ زور کے ساتھ مالی قربانیاں کرتا ہے۔ ایک بیداری ہے جو جماعت میں پیدا ہوگئی، ایک تقویٰ ہے جو ہر شخص کے دل میں ہے اگر یہ تمام باتیں ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سزا ہے۔

پھر خدا تعالیٰ کا قول ہماری تائید میں ہے کیونکہ متواتر الہامات اور مسلسل خوابیں جو جماعت کے مختلف لوگوں کو آئیں ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ اس فتنہ کے ذریعہ ہماری جماعت کو بڑھائے اور پھیلائے اور ترقی دے اور یہ کوئی عجیب امر نہیں کہ اللہ تعالیٰ تکالیف سے ترقی مدارج کی صورت پیدا کرے ایسا ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔ اس بارہ میں میرا ایک عجیب تجربہ ہے، میرے راستہ میں ایک دفعہ ایک سخت مشکل پیش آئی، ایسی کہ فکر سے میری کمر جُھکی جاتی تھی اور میں سمجھتا تھا کہ اس روک کو دور کرنیکے ظاہری سامان مفقود ہیں۔ میں نے دعا کی مگر جب نتیجہ میں دیر ہونے لگی تو میں نے عہد کیا کہ میں اس وقت تک کہ دعا قبول ہو زمین پر سویا کروں گا چارپائی پر نہ لیٹوں گا۔ چنانچہ میں زمین پر سویا، آدھی رات کے قریب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ عورت کی شکل میں جسے میں اپنی والدہ سمجھتا ہوں آیا اس کے ہاتھ میں ایک باریک سی چھڑی ہے جو درخت کی تازہ کٹی ہوئی باریک شاخ معلوم ہوتی ہے اس کے سر پر کچھ پتے بھی لگے ہوئے ہیں چہرہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ غصہ ہے مگر اس غصہ کے اندر پیار کی جھلک بھی نظر آتی ہے، میرے قریب آکر اور چھڑی کو گھماتے ہوئے اس تمثیل نے مجھے کہا کہ چارپائی پر لیٹتا ہے کہ نہیں، چارپائی پر لیٹتا ہے کہ نہیں، پھر اس نے مجھے آہستہ سے چھڑی مارنی چاہی جیسے ایسے شخص کو تنبیہہ کرتے ہیں جس کے متعلق پیار کا غلبہ ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ چھڑی مجھے لگی یا نہیں مگر مَیں معاً کُود کر چارپائی پر چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو اس وقت میں نے دیکھا کہ میں چارپائی کی طرف جا رہا تھا، اس کے بعد دوسرے ہی دن وہ بات جس کا مجھے فکر تھا خدا تعالیٰ کے فضل سے حل ہوگئی۔ اس رؤیا میں پیار والے ابتلاء کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تکلیف میں ڈالتا ہے دوسری طرف وہ اتنی بھی برداشت نہیں کرتا کہ وہ چارپائی کو چھوڑ کر زمین پر سوئے گویا جس تکلیف کو اس نے ترقی کے لئے ضروری سمجھا تھا وہ تو پہنچاتا ہے اس کے علاوہ ایک ذرا سا دکھ بھی پہنچے تو وہ بے تاب ہو کر اس طرح انسان کی طرف دوڑتا ہے جس طرح ماں اپنے بچے کی طرف۔ یہی حالت اس وقت ہے تم خود غور کرو کہ ان ابتلاؤں کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ ان ابتلاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے فیصلہ کیا کہ جماعت مالی قربانی

کرے اور جماعت نے وہ مالی قربانی کی۔ میں نے کہا کہ جسمانی قربانی کرو اور کھانے میں بھی تخفیف کردو جماعت نے فوراً اس پر لبیک کہا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے پیش کرو اور جاؤ باہر کے ملکوں میں تبلیغ کے لئے نئے میدان تلاش کرو کیونکہ یہ بیوقوفی ہوتی ہے کہ ایک شخص جسے ہماری باتوں سے غصہ آرہا ہو، وہ ہمیں گالیاں دے رہا ہو اور ہم اس پر اپنی طاقتیں صرف کرتے چلے جائیں۔ ہمارا فرض ہوتا ہے کہ ہم اسے چھوڑیں اور کسی ٹھنڈے مزاج والے کے پاس جائیں اور اسے تبلیغ کریں۔ پس میں نے اپنی جماعت سے کہا کہ اگر ہندوستان میں شورش ہے اور ان لوگوں کو تبلیغ کرنے سے فائدہ نہیں ہوتا تو جاؤ اور دوسرے ممالک میں اپنے لئے نئے میدان اور نئے راستے تلاش کرو۔ میری اس تحریک پر جماعت نے اپنے آپ کو پیش کیا اور ایسے اخلاص کے ساتھ جماعت کے افراد نے اپنے آپکو پیش کیا کہ اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے پھر چھوٹے چھوٹے بچوں نے ویسا ہی نمونہ دکھایا جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے وقت دو بچوں نے دکھایا تھا جو بدر کی جنگ میں شامل ہوئے تھے[۱۰] یا جو حضرت علیؓ نے دکھایا تھا جب کفار نے رسول کریم ﷺ کی دعوت حق کے جواب میں اسے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا چنانچہ ایک بچہ سے جب دریافت کیا گیا کہ اگر تمہیں ہماری طرف سے کچھ نہ ملے تو تم کیا کرو گے۔ تو اس نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اسی وقت ایک ٹوکری لے کر چل پڑوں گا اور محنت مزدوری کرتا ہوا پیدل اپنی منزلِ مقصود تک پہنچوں گا اور یہ ایک مثال نہیں بیسیوں نوجوان بیتابی سے اس قسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔ وہ صرف اِذن چاہتے ہیں اور کوئی امداد نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ کام کی جلدی کی وجہ سے ہم خود ان کی کوئی امداد کریں۔ کیا یہ ایک عذاب یافتہ قوم کی حالت ہوا کرتی ہے کیا جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی گرفت نازل ہوتی ہے ان میں ایسا ہی اخلاص اور تقویٰ پایا جاتا ہے پھر کون ہے جو کہہ سکے کہ یہ مشکلات اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔ بے شک میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اندر کمزوریاں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہم ان کمزوریوں پر غالب آئیں لیکن تکالیف سے مقصود سزا دینا نہیں بلکہ اپنے قریب کرنا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ماں اپنے بچہ کا منہ دھوتی ہے تو وہ روتا ہے۔ وہ اسلئے اس کا منہ دھو کر اسے نہیں رُلاتی کہ اسے سزا دے بلکہ اس لئے منہ دھوتی ہے کہ اسے چومے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ ان ابتلاؤں پر اس لئے خاموش نہیں کہ وہ ہمیں سزا دینا چاہتا ہے بلکہ وہ اس لئے خاموش ہے کہ اس ذریعہ سے ہمارا منہ دھویا جا

رہا ہے جس کے بعد وہ ہمیں محبت سے بوسہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی جماعت کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ عذاب یافتہ قوم ہے، ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی لکھا تھا کہ آپ کی جماعت میں مولوی نورالدین صاحب ہی ایک کامل انسان نظر آتے ہیں اور لوگ تو ایسے نہیں۔ اِس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے یہی دیا کہ مجھے تو اپنی جماعت میں لاکھوں انسان ایسے نظر آتے ہیں جو صحابہ کا نمونہ ہیں اور تم ان خیالات سے توبہ کرو ورنہ اس کا انجام اچھا نہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے آپ نے نہایت سختی سے اپنی جماعت کے عیوب بیان کئے ہیں تو معالج والی نگاہ سے عیوب کا دیکھنا اور چیز ہوتی ہے اور اعتراض کی نیت سے عیوب کا دیکھنا بالکل اور چیز ہے۔ جتنے عیب میں اپنی جماعت میں دیکھتا ہوں غالباً اس دوست کو بھی اتنے عیب نظر نہیں آتے ہوں گے اور یقیناً نہیں آتے مگر جس نگاہ سے مجھے نظر آتے ہیں وہ اور ہے اور جس نگاہ سے انہیں نظر آتے ہیں وہ اور ہے۔ بے شک یہ ایک بہت بڑا ابتلاء ہے جو ہماری جماعت پر آیا اور بے شک ہم اگر اس ابتلاء کو نہیں سمجھیں گے، اس کا مقابلہ نہیں کریں گے اور اس سے بچنے کی تدابیر نہیں سوچیں گے تو ایسی مشکلات میں مبتلاء ہو سکتے ہیں جن سے نکلنے کے لئے سالہا سال درکار ہوں۔ مگر باوجود اس کے میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا یہ منشاء نہیں کہ وہ ہمیں عذاب دے، اس کا یہ منشاء نہیں کہ وہ ہمیں سزا دے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ ہمیں ترقی دے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ ہمیں بڑھائے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ ہمیں پھیلائے باقی اس راہ میں جان چلی جانا یا خدا کے لئے مٹی میں مل جانا یہ کوئی ذلت کی بات نہیں بلکہ عزت کی بات ہے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ کہہ چکا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے دین کے لئے مالی قربانی کرتا ہے یا اس کے جلال کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا ہے تو بہرحال دونوں صورتوں میں زمانہ میں اس کا نام قائم رہے گا اور دنیا کا کوئی حادثہ اس کے نام کو مٹا نہیں سکتا۔ بھلا غور تو کرو کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ گناہ تو ہم سب کریں مگر گالیاں جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا کہا جاتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملیں۔ فرض کرو آج ہماری جماعت کے آدمی گھروں میں چُھپ کر بیٹھ رہیں اور احمدیت کی اشاعت نہ کریں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور رسول کریم ﷺ کو نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِکَ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ چھوڑ دیں تو کیا کوئی دشمن ہم پر حملہ کرنے والا کھڑا رہ سکتا ہے۔

ہماری مخالفت تو دنیا میں اسی لئے ہو رہی ہے کہ ہم اس زمانہ کے مأمور پر ایمان لائے ہم نے خدا تعالیٰ کو زندہ نشانات سے مانا اور ہم نے اسلام کے پھیلانے کا تہیہ کرلیا۔ پس لوگوں کو اگر دشمنی ہے تو خدا سے، دشمنی ہے تو رسول کریم ﷺ کے نام سے، اور دشمنی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے۔ کوئی اس لئے ہمارا دشمن ہے کہ ہم نے خدا کو مانا، کوئی اس لئے ہمارا دشمن ہے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو مانا اور کوئی اس لئے ہمارا دشمن ہے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانا۔ پس اس صورت میں نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ یہ سزا ہمیں نہیں مل رہی بلکہ ان تینوں کو مل رہی ہے اگر ہم دنیا میں اپنا نام پیش کرتے اور اپنی ذات لوگوں سے منواتے تو اس صورت میں سزا ہم پر نازل ہوسکتی تھی جیسے مغلیہ حکومت تباہ ہوئی تو وہ سزا مغلیہ حکومت کے لئے تھی نہ کہ خدا اور اس کے رسول کے لئے کیونکہ مغلیہ حکومت خدا کا نام دنیا میں نہیں پھیلاتی تھی بلکہ اپنی حکومت لوگوں سے منواتی تھی۔ اسی طرح جو قومیں دنیا میں اپنی بڑائی کا اظہار کیا کرتی ہیں انہیں ان کے برے اعمال کی سزا مل جاتی ہے لیکن جو قوم خدا اور اس کے رسول کا نام دنیا میں پھیلا رہی ہو، جس کے دل کے کسی گوشہ میں اپنی ذاتی بڑائی کا خیال تک نہ ہو، جو ہمہ تن اسی ایک مقصد کے لئے منہمک ہو کہ دنیا پر خدا کا جلال ظاہر ہو، ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا کس طرح نازل ہوسکتی ہے۔ ہمارے کونسے کام ہیں جو ہم اپنے لئے کرتے ہیں۔ ہمارے خاندان نے انگریزوں کی ہمیشہ خدمات کیں مگر ایک دفعہ بھی اس کے بدلہ میں کسی انعام کی خواہش نہیں کی بلکہ اگر کوشش کی تو یہ کہ مسلمانوں کا بھلا ہو جائے اور آئندہ بھی اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ہم اپنی ذات کو کبھی پیش نہیں کرینگے۔ پس ہم نے تو اپنے آپ کو ایسا خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا ہے کہ اب ہمارا مٹنا دنیا سے خدا تعالیٰ کے نام کا مٹنا قرار پاتا ہے۔ ہم اپنے لئے دنیا سے کچھ نہیں مانگتے بلکہ خدا کے لئے اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے مانگتے ہیں۔ پھر جماعت کا کثیر حصہ ایسا ہے جو بھوکا رہتا ہے، پیاسا رہتا ہے، ننگا رہتا ہے مگر دین کے لئے مالی قربانی کے مطالبہ کو پورا کرنے سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ پھر کہا جائے کہ اشاعت دین کے لئے دوسرے ملکوں میں نکل جاؤ تو وہ اپنے بچوں، اپنی بیویوں اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر دور دراز ممالک میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نکل جاتے ہیں اس پر بھی اگر ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ہی ملنی ہے تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا انعام کن نیکیوں پر ملا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جب تک ہماری جماعت کی یہ حالت رہے گی کہ وہ دین

کے لئے مال خرچ کرتی رہے گی ، جب تک وہ تبلیغ کرتی رہے گی ، جب تک وہ دنیا طلبی کی بجائے خدا طلبی میں لگی رہے گی ، جب تک اسے اسلئے لوگوں کی طرف سے دکھ دیا جائے گا کہ کیوں یہ لوگوں کی خیر خواہی کرتی اور انہیں احمدیت میں داخل کرتی ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی ابتلاء آئیں گے وہ عذابی نہیں ہونگے بلکہ انعامی ہوں گے ۔ ہاں جس وقت ان کی کوششیں بجائے اشاعتِ دین کے اپنے نفس کے لئے خرچ ہونے لگیں گی ، جس وقت انہیں اپنے بچوں اور بیویوں میں بیٹھنا زیادہ مرغوب رہنے لگے گا ، جس وقت وہ اسلام کے آرام پر اپنے نفس کے آرام کو مقدم کرلیں گے اس وقت ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا نازل ہو مگر جب تک ہمارے دل بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ کی محبت سے پُر ہیں ایک لحہ کے لئے بھی خیال نہیں کیا جاسکتا کہ بحیثیت جماعت خدا کا عذاب ہم پر نازل ہو ۔ کون ایسا شخص ہے کہ کسی کو ایسی حالت میں گولی مارے جبکہ اس کا اپنا بچہ اس کی گودی میں بیٹھا ہوا ہو ۔ ایک ڈاکو اور سفاک انسان بھی اس وقت گولی نہیں چلاتا جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا اپنا بچہ دوسرے کی گود میں ہے پھر کیا ہمارا خدا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ایک ڈاکو اور چور جیسی عقل وسمجھ بھی نہیں رکھتا کہ اسی دل پر گولی چلائے گا جس دل میں اس کی محبت جاگزین ہے ۔ بیشک ہم جاہل ہیں مگر خدا کے نام کے جلال اور اس کے دین کو پھیلانے کے لئے اپنے سینوں میں تڑپ رکھتے ہیں ، بے شک ہم میں کمزوریاں ہیں مگر ہمارے دل خدا تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہیں اور ہم دل سے چاہتے ہیں کہ یہ کمزوریاں ہم میں نہ رہیں ، ہم دل سے چاہتے ہیں کہ ہماری عزتیں ، ہماری جانیں ، ہمارا آرام اور ہماری آسائش سب کچھ خدا کے نام پر قربان ہوجائے ۔ جب ہماری قلبی کیفیات یہ ہیں ، جب ہم رات دن اپنے مولیٰ کی محبت میں سرشار رہتے ہیں ، جب ہم اٹھتے بیٹھتے اسی کے نام کو پھیلانے میں کوشاں رہتے ہیں تو یقیناً خدا ایسے دلوں پر گولی نہیں چلاسکتا ۔ میں اپنے دل کو جانتا ہوں اور میں مقدس سے مقدس مقام میں کھڑا ہوکر غلیظ سے غلیظ قَسم اس بات کیلئے کھا سکتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول کی عزت کے سوا میرے دل میں اور کسی کی عزت پھیلانے کا ولولہ نہیں ۔ اس کے کلام کی محبت سے میرا دل لبریز ہے اور اس کی اشاعت کے لئے مجھے اتنا جوش ہے کہ اور کسی چیز کے لئے اتنا جوش نہیں اور میں جانتا ہوں کہ سوائے چند منافقین کے تمام جماعت اپنے دلوں میں یہی ولولے اور یہی ارادے رکھتی ہے پس ایسے دلوں کو کوئی تباہ نہیں کیا کرتا ۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں اگر موجودہ مشکلات

سزا ہیں تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ کہنا پڑے گا کہ خدا ظالم ہے اس نے ہمارے دلوں کو دیکھا مگر ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ کیا جس کے ہم مستحق تھے۔ باقی رہی کمزوروں کی اصلاح سو وہ ہمیشہ ہمارے مدنظر رہتی ہے۔ اور کمزوریاں تو ہر انسان میں پائی جاتی ہیں اور ہر انسان اگر چاہے تو انہیں چھوڑ کر زیادہ بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔ عمرؓ ابو بکرؓ بن سکتا ہے اور ابو بکرؓ اور زیادہ ترقی کر کے خدا تعالیٰ کی محبت کے مزید مقامات حاصل کر سکتا ہے پس اس قسم کا خیال رکھنے والے لوگوں کو میں سمجھا تا ہوں کہ وہ غور کریں اور سوچیں۔ میں زبردستی ان سے اپنی بات نہیں منوانا چاہتا بلکہ انہیں کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں۔ اگر وہ توجہ کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہ خیال بالکل باطل ہے اور نہ صرف باطل بلکہ انہیں نیکی کے راستہ سے دور پھینکنے والا ہے۔ بہت دفعہ شیطان نیکی کے راستہ سے دھوکا دے دیا کرتا ہے جیسے عبدالحکیم کی مثال مَیں نے ابھی بیان کی ہے۔ اس نے اعتراض کرتے وقت یہی لکھا تھا کہ جماعت کی اصلاح میرے مدّنظر ہے مگر دیکھ لو کہ اس کا نتیجہ کیسا خطرناک نکلا۔ ملّی نظام خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور جو شخص اس پر اعتراض کرتا ہے اس کے دل پر زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہاں اصلاح کے لئے جماعت کے عیوب بیان کرنا بالکل اور چیز ہے اور نیتوں کا فرق بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ بظاہر ایک ڈاکٹر بھی ہاتھ کاٹتا ہے اور ڈاکو بھی۔ اسی طرح ڈاکو بھی لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور گورنمنٹ بھی پھانسیاں دیتی ہے مگر ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہوتا ہے۔ گورنمنٹ ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچانے کے لئے مجرموں کو پھانسی دیتی ہے اور ڈاکو مال وغیرہ لوٹنے کے لئے دوسروں کو قتل کرتے ہیں پس کام تو ایک ہے مگر نیتوں میں فرق ہے۔ اسی طرح جماعت کی اصلاح کے لئے نقص بیان کرنا اور بات ہے اور جماعت کے عیوب پر لذّت محسوس کرنا اور کہنا کہ اب یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے سزا مل رہی ہے بالکل اور بات ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس طرح ہر وہ قوم جس میں اصلاح کرنے والے نہ رہیں اور جس کے افراد ایک دوسرے کے عیوب نہ دیکھ سکیں تباہ ہو جاتی ہے اسی طرح وہ لوگ بھی ہلاک ہو جاتے ہیں جو عیب دیکھتے تو ہیں مگر ان کا اپنے دلوں میں ذخیرہ کرتے چلے جاتے ہیں اور بجائے اصلاح کے قوم کے متعلق بُری رائے قائم کر لیتے ہیں۔ پس تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ پر امید نہ چھوڑو اور یقیناً یاد رکھو کہ بے شک ہمارے سامنے مشکلات ہیں مگر ان کا انجام اچھا ہے۔ مجھے خود بعض رؤیا اور الہام ایسے ہوئے ہیں جو کامیابی

اور فتح کی خبر دیتے ہیں اور بعض الہام تو بہت ہی مبارک ہیں مگر میں انہیں بیان نہیں کرتا کیونکہ ان کے مخفی رکھنے میں بعض مصالح ہیں۔ صرف ایک رؤیا بیان کر دیتا ہوں جو انہی دنوں مَیں نے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں بھوپال میں ہوں اور وہاں ٹھہرنے کے لئے سرائے میں اترنے کا ارادہ ہے۔ ایک سرائے وہاں ہے جو بہت اچھی اور عمدہ ہے مگر ایک اور سرائے جو بظاہر خراب اور خستہ ہے اور وہاں میرے ساتھی اسباب لے گئے ہیں۔ ایک ہمارے ہم جماعت ہؤا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، ان کا نام حافظ عبدالرحیم تھا میں نے دیکھا وہ اسی جگہ ہیں اور حکیم دین محمد صاحب کہ وہ بھی میرے ہم جماعت ہیں وہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ عبدالرحیم صاحب مرحوم اس بظاہر شکستہ سرائے میں ہمیں لے گئے ہیں۔ میں اسے دیکھ کر کہتا ہوں کہ یہاں ٹھہرنے میں تو خطرات ہوں گے، سرائے بھی خراب سی ہے، دوسری اچھی سرائے جو ہے وہاں کیوں نہیں ٹھہرے۔ وہ کہنے لگے یہیں ٹھہرنا اچھا ہے، پھر وہ میرے لئے بستر بچھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بستر بھی نہایت گندہ اور مَیلا سا ہے۔ میں اسے دیکھ کر کہتا ہوں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بستر ایسا گندہ ملے گا تو میں اپنا بستر لے آتا۔ تکیہ کی جگہ بھی انہوں نے کوئی نہایت ہی ذلیل سی چیز رکھی ہے۔ پھر جس طریق پر وہ بچھاتے ہیں اس سے بھی مجھے نفرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ ٹیڑھا سا بستر انہوں نے بچھایا ہے مگر پھر میں دل میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بُری بات ہے میں کسی اور جگہ رہائش کا انتظام کروں جہاں باقی ساتھی ہیں وہیں مجھے بھی رہنا چاہئے۔ اس کے بعد میں بستر پر لیٹ جاتا ہوں مگر لیٹتے ہی میں دیکھتا ہوں کہ بستر نہایت اعلیٰ درجہ کا ہو جاتا ہے اور جگہ بھی تبدیل ہو کر پہلے سے بہت خوشنما ہو جاتی ہے، لحاف اور کمبل بھی جو بستر پر ہیں نہایت عمدہ قسم کے ہو جاتے ہیں اور تکیہ بھی مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت اعلیٰ ہے اور باقی ساتھیوں کے بستر بھی صاف ستھرے ہو جاتے ہیں۔ بستر پر لیٹتے وقت میرے دل میں خیال تھا کہ مجھے اپنے پاس کوئی ہتھیار رکھنا چاہئے کیونکہ خواب میں ہم باہر صحن میں ہیں اور گلابی جاڑے کا موسم ہے جب کہ لوگ باہر سوتے لیکن اوپر کچھ نہ کچھ اوڑھتے ہیں پس خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چور چکار نہ آ جائے۔ میں اسی سوچ میں ہوں کہ میں خیال کرتا ہوں میری جیب میں ایک پستول پڑا ہے اسے دیکھوں کہ وہ موجود ہے کہ نہیں۔ چنانچہ کہنی کے بَل میں اٹھتا ہوں اور جیب پر ہاتھ مار کر دیکھتا ہوں تو مجھے نہایت اچھی قسم کا عمدہ سا پستول نظر آ جاتا ہے۔ اس پر دل میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس رؤیا کا اثر اتنا گہرا تھا کہ

فوراً آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ میں واقع میں اپنے کرتہ پر صدری کی جیب کی جگہ پر ہاتھ مار رہا تھا جیسے کوئی کچھ تلاش کرتا ہے ۔ یہ رؤیا تو خیر تعبیر طلب ہے مگر اور بھی بہت سے واضح رؤیا ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ابتلاؤں میں ہمیں فتح دے گا اور یہ کہ اس کا نشان یہ ہے کہ وہ احمدیت کو ان ابتلاؤں کے ذریعہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں پھیلائے اور کوئی بڑی سے بڑی روک اس کی ترقی میں حائل نہیں ہو سکے گی ۔

خدا تعالیٰ کی ان متواتر خبروں کے بعد میں کسی کی یہ بات کس طرح قبول کرسکتا ہوں کہ ہماری جماعت پر یہ عذاب آ رہا ہے ۔ پنجابی میں ضرب المثل ہے کہ ’’ گھروں مَیں آیاں تے سنیہے تُوں دیویں ‘‘ یعنی گھر سے تو میں آ رہا ہوں اور گھر کے پیغام تم بتا رہے ہو ۔ اس طرح ہم خود خدا کے گھر سے آئے اور ہمیں اس نے بتایا ہے کہ ان فتنوں کا کیا انجام ہے پس ہم پر ان وہمی باتوں کا کیا اثر ہوسکتا ہے کہ یہ خدا کا عذاب ہے جو آ رہا ہے ۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں جماعت کو اصلاح سے غافل کرنا چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ مجھ میں بھی عیب ہیں اور تم میں بھی پھر کسی میں دس عیب ہیں ، کسی میں بیس ، کسی میں سَو اور کسی میں ہزار ، تم جتنی جلدی ان عیبوں کو دور کرو گے اتنی ہی جلدی تمہیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا بلکہ اگر تم میں آدھا عیب بھی باقی ہے اور تم اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو خدا سے دور رہتے ہو اور آدھا عیب کا کیا مطلب ، عیب کا ہزارواں حصہ بھی اگر تمہارے اندر ہے تو تمہیں اس سے شدید نفرت کرنی چاہئے اور شدید کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ تم اس قدر عیب سے بھی پاک ہو جاؤ مگر میں یہ کہہ کر اپنی جماعت کو مایوس بھی نہیں کرنا چاہتا کہ گویا تمہیں سزا مل رہی ہے ۔ بے شک خدا ہمیں اس وقت تکلیف میں ڈالے ہوئے ہے مگر اس لئے کہ تا ہمارے افکار کو وسیع کرے ۔ جب انسان پر مصائب و مشکلات آتی ہیں تو اس وقت ایسی ایسی تدبیریں اسے سوجھتی ہیں جو بہت جلد ترقی تک پہنچانے والی ہوتی ہیں ۔ فاقہ کے وقت بعض دفعہ غریبوں کو ایسے ایسے ڈھنگ روٹی کمانے کے سوجھتے ہیں کہ انسان خیال کرتا ہے اگر یہ دنیا کے بادشاہ ہو جائیں تو تمام عالَم کو مسخر کرلیں اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں اس لئے مشکلات میں نہیں ڈالے ہوئے کہ وہ ہمیں دکھ دینا چاہتا ہے بلکہ اس لئے کہ تا ہماری عقلیں تیز ہو جائیں اور ہماری تدبیروں کا دائرہ وسیع ہو اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جب ہم ان تدبیروں پر عمل کریں گے تو سحر ہو جائے گی اندھیرا جاتا رہے گا اور فتح اور کامیابی کا سورج

ہمارے لئے نکل آئے گا۔ چند سال ہوئے میں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ میں گھر کے اس حصہ میں ہوں جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ہے۔ میں نے مسجد میں شور سنا اور باہر نکل کر دیکھا کہ لوگ اکٹھے ہیں ان میں ایک میرے استاد بھائی شیخ عبدالرحیم صاحب بھی ہیں۔ سب لوگ مغرب کی طرف انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر کہہ رہے ہیں کہ دیکھو لومغرب سے سورج نکل آیا اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب قیامت آ گئی۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت پہاڑیاں گر رہی ہیں، درخت ٹُوٹ رہے ہیں اور شہر ویران ہو رہے ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہ جاری ہے کہ تباہی آ گئی قیامت آ گئی۔ میں بھی یہ نظارہ دیکھتا ہوں تو کچھ گھبرا سا جاتا ہوں مگر پھر میں کہتا ہوں مجھے اچھی طرح سورج دیکھ تو لینے دو۔ میں خواب میں خیال کرتا ہوں کہ قیامت کی علامت صرف مغرب سے سورج کا طلوع نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور علامات کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ان دوسری علامتوں کو دیکھنے کے لئے میں مغرب کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو وہاں بعض ایسی علامتیں دیکھتا ہوں جو قیامت کے خلاف ہیں اور غالباً سورج کے پاس چاند ستارے یا نور دیکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ قیامت کی علامت نہیں۔ دیکھو فلاں فلاں علامتیں اس کے خلاف ہیں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ میں نے دیکھا سورج غائب ہو گیا اور دنیا پھر اپنی اصل حالت پر آ گئی۔ پس ہمارے لئے تو ابھی کئی قیامتیں مقدر ہیں۔ ان معمولی ابتلاؤں سے گھبرا جانا تو بڑی ناسمجھی ہے۔ جو شخص گھبرا کر یہ سمجھتا ہے کہ اب قوم تباہ ہو گئی وہ بھی غلطی کرتا ہے اور جو سمجھتا ہے کہ انسانی طاقتیں ہمارے سلسلہ کو مٹا سکتی ہیں وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ تمہارے سامنے اِس وقت ایک پُل صراط پیش ہے تم اس پر چلو، تم حکومت کے قوانین کی پابندی کرو، تم شریعت کی پابندی کرو۔ تم سلسلہ کی روایات کا احترام کرو اور چلتے چلے جاؤ اور یقین رکھو کہ کامیابی تمہارے لئے ہے۔ تمہیں تلوار کی دھار پر اِس وقت چلنا پڑے گا، تمہیں قانون کی بھی پابندی کرنی پڑے گی، تمہیں شریعت کی بھی پابندی کرنی پڑے گی، تمہیں سلسلہ کی روایات کا احترام بھی مدنظر رکھنا ہوگا اور اس کے ساتھ تمہیں موجودہ فِتن کا مقابلہ بھی کرنا ہوگا۔ تم خیال کرتے ہو گے کہ ان شرائط کی پابندی کے بعد ظلموں کے دُور کرنے کا کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اِس تلوار کی دھار پر اتنا کُھلا راستہ ہے کہ تم بغیر کسی خوف وخطر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہو۔ تم میری بات سنو اور سمجھو اور میرے پیچھے چلے آؤ تمہیں ایک نہایت ہی کُھلا راستہ نظر آئے گا اتنا کُھلا راستہ کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور سمجھو کہ کامیابی

تمہارے لئے مقدر ہے، عزت تمہارے لئے مقدر ہے، بڑائی تمہارے لئے مقدر ہے، رُتبہ تمہارے لئے مقدر ہے۔ جو لوگ آج تمہارے دشمن ہیں وہ کل تمہارے دوست ہوں گے، جو آج تمہیں مٹانے کے درپے ہیں وہ کل تمہارے میناروں کو اونچا کرنے والے ہوں گے۔ پس دشمن کو دشمن نہ سمجھو بلکہ یقین رکھو کہ وہ تمہارا دوست بننے والا ہے سوائے اُس شخص کے کہ جس کے لئے ازل سے ہدایت مقدر نہیں۔ تم مایوس مت ہو اور نہ اپنے حواس کھوؤ۔ عقل قائم رکھو اور حوصلے بلند رکھو پھر قطعاً تمہیں کسی قسم کی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔ خدا تمہارا دشمن نہیں بلکہ دوست ہے۔ بے شک تم توبہ کرو اور استغفار کرو مگر تم توبہ اس لئے نہ کرو کہ کوئی عذاب ہے جسے تم دُور کرنا چاہتے ہو بلکہ اس لئے کرو کہ تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل کا اگلا دروازہ تمہارے لئے کھول دے، تم دعائیں کرو مگر اس لئے نہیں کہ خدا تمہیں تباہ کرنے کے لئے اُٹھا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ تم پر رحم کرنے کے لئے اُٹھا ہے، تم دعائیں کرو کہ تم اس کے رحم سے زیادہ سے زیادہ حصہ لو۔ پس صداقت کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرو موجودہ مشکلات سے گھبرانے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے بہت زیادہ مشکلات ہیں جن پر تم نے غالب آنا ہے۔ تم آج اپنے جوشوں کو بھی ٹھنڈا رکھو اور خدا پر بھی امید رکھو کہ خدا پر بدظنی کرنے والا خود ہلاک ہوتا ہے۔ پھر اپنی تدبیروں سے بھی پیچھے مت ہٹو اور تقدیر پر بھی بھروسہ رکھو مگر تدبیر سے کام لینے کے یہ معنی نہیں کہ تم صبح تدبیر سے کام لو اور شام کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر دیکھنا چاہو۔ جو شخص اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اسے بھی اولاد کے لئے نو (9) مہینہ انتظار کرنا پڑتا ہے ہاں جتنی زیادہ تدبیریں کرو گے اتنی ہی زیادہ تقدیریں ظاہر ہوں گی۔ محمد ﷺ کو بھی تدبیریں کرنی پڑتی تھیں اور ابوجہل بھی تدبیریں کرتا تھا مگر محمد ﷺ کی تدبیروں کی تقدیر مدد کرتی اور ابوجہل کی تدبیروں کی تقدیر مدد نہ کرتی۔ پس تدبیریں کئے جاؤ اور یہ مت دیکھو کہ کب نتیجہ نکلتا ہے۔ ممکن ہے ہماری تدبیریں تین سال کے بعد نتیجہ خیز ہوں، ممکن ہے چھ سال کے بعد ہوں اور ممکن ہے بارہ سال کے بعد ہوں ہاں جو نتیجہ نکلنا ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم حق پر ہیں اور بہر حال ہم دنیا پر غالب آ کر رہیں گے۔ ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم میں خدا کی محبت ہے ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہمارے اندر انبیاء کی محبت ہے، ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم میں رسول کریم ﷺ کی محبت ہے، ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت ہے اور ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم فتنہ و فساد نہیں چاہتے بلکہ

لوگوں کے ساتھ احسان کرنا چاہتے ہیں پس ہم کس طرح مان لیں کہ ایسے بندوں کو خدا تعالیٰ برباد کرنے کے لئے تیار ہے۔ جب ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں خدا کی محبت ہے، جب ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اس کے رسولوں کی محبت ہے جب ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اس کے مسیح موعود کی محبت ہے جب ہم جانتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں تمام نوع انسان کی محبت ہے اور ہم حکومت اور رعایا سب کی خیر خواہی چاہتے ہیں، تو بے شک دنیا جو ہمارے حالات سے ناواقف ہے ہم سے دشمنی کرسکتی ہے مگر خدا ہمارا دشمن نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ عَالِمُ الْغَیْب ہے۔ بالکل ممکن ہے حکومت ہماری دشمن ہو جائے، ممکن ہے رعایا ہماری دشمن ہو جائے، ممکن ہے چھوٹے بڑے سب ہمارے دشمن ہو جائیں مگر یہ ممکن نہیں کہ خدا ہماری جماعت کا دشمن ہو۔ مجھے اگر لوگ آ کر یہ کہیں کہ ہندوستان کے تمام افراد آپ کو مارنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے مَیں اِس بات کو مان لوں لیکن اگر کوئی آ کر یہ کہے کہ خدا ہمیں مٹانا چاہتا ہے تو مَیں اِس بات کو کبھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ میں اپنے نفس کو جانتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ سب سے زیادہ محبت اگر مجھے ہے تو خدا تعالیٰ سے ہے بلکہ بعض دفعہ مجھے رشک آجاتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ کیا نبیوں کے دل میں مجھ سے زیادہ خدا تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے؟ پس میں اپنے دل کو جانتا ہوں اور میرا ربّ میرے دل کو جانتا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جماعت کے لوگوں کے دلوں کی بھی یہی کیفیات ہیں۔ گو بعض ان میں سے کمزور بھی ہوں مگر غالب اکثریت ایسی ہے جو خدا اور اُس کے رسول کی محبت میں سرشار ہے پھر میں کس طرح مان لوں کہ یہ سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے ہاں خدا پر توکّل رکھو، یقین رکھو اور اُس سے دعائیں کرو کہ وہ کامیابی کی گھڑی جلد تمہارے سامنے لائے۔ اگر تم میرے اِس وعظ کے نتیجہ میں اپنی اصلاح سے غافل ہو گئے تو یہ ایک بُرا نتیجہ ہوگا جس سے تمہیں بچنا چاہئے۔ میں نے تمہیں خدا تعالیٰ کی برکت کی خبر دی ہے اور جب خدا تعالیٰ کی برکت کی خبر سنائی جائے تو انسان کو پہلے سے بہت زیادہ چُستی کے ساتھ نیکیوں پر عمل پَیرا ہونا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! جب خدا تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی کمزوریاں معاف کر دیں تو آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کے بدلہ میں مَیں اب شکر نہ کروں۔ [11] پس تمہیں بھی اِس خطبہ کے نتیجہ میں اپنی اصلاح سے

غافل نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ آگے سے زیادہ ہوشیار ہو جانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شُکر کے طور پر تمہیں یہ کہتے ہوئے اپنے ربّ کے سامنے جُھک جانا چاہئے کہ اے ہمارے فضل کرنے والے ربّ! ہم تیری بڑائی بیان کرتے ہیں۔ (الفضل ۱۷؍فروری ۱۹۳۵ء)

۱؎ اسدالغابة جلد۲ صفحه ۲۸۴ مطبوعه بیروت ۱۲۸۵ ھ۔

۲؎ النور:۵۶

۳؎ تاریخ طبری جلد۳ صفحه ۱۶۵ مطبوعه بیروت ۱۹۸۷ ء۔

۴؎ الانفال:۳۴ ۵؎ البقرة:۲۱۵ ۶؎ المائدة:۲۵

۷؎ البقرة:۲۱۵

۸؎ ترمذی ابواب الرؤیا باب ذهبت النبوة وبقی المبشرات۔

۹؎ طٰهٰ:۱۱۵

۱۰؎ بخاری کتاب المغازی باب فَضْل مَنْ شهِد بَدْرًا۔

۱۱؎ بخاری کتاب التفسیر باب قوله لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ (الخ)